امام احمد رضا

زندگی کے چند تابندہ نقوش

از

علامہ محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر مکتبہ عزیزیہ عزیز نگر مبارک پور

امام احمد رضا

زندگی کے چند تابندہ نقوش

علامہ محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر
مکتبہ عزیزیہ عزیز نگر مبارک پور

خطبۂ صدارت بموقع صد سالہ جشن امام احمد رضا قدس سرہ

(ولادت: ۱۰؍ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء، شنبہ

وصال: ۲۵؍ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء، جمعہ)

منعقدہ ۲۸/ ۲۹؍ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵/ ۶؍ جنوری ۲۰۱۹ء شنبہ، یک شنبہ

بمقام شہر ممبئی، مہاراشٹر۔

زیر اہتمام: خانقاہ ایوبیہ پپڑا کنک، ضلع کُشی نگر، یوپی

امام احمد رضا: زندگی کے چند تابندہ نقوش

تحریر:............ علامہ محمد احمد مصباحی

.... ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ضخامت:............ ۲۱ صفحے

کمپوزنگ:............ مولانا اسلم مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

تزئین کار:............ محمد زاہد اختر مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر:............ مکتبہ عزیزیہ، عزیز نگر، مبارک پور اعظم گڑھ 276404

Publisher:

Maktaba Azizia,

Aziz Nagar, Mubarakpur Azamgarh u.p

Contact:8604557108

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامداو مصلیاو مسلما

امام احمد رضا کے جلال و جمال کا ایک رخ وہ ہے جو ان کی تصانیف میں جلوہ نما ہے۔ اور دوسرا رخ وہ ہے جو ان کی خانگی و عائلی زندگی میں پنہاں ہے —— دونوں ہی رخ بڑے تاب ناک، بہت بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہیں۔

ان کی تصانیف کا معتد بہ اور قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور ایک جہان اس سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ دوسرا رخ ہمیں ان کے اہل خاندان اور قریبی خدام سے معلوم ہوتا ہے اور بصیرت و عبرت کے دل کش نقوش ثبت کرتا ہے۔

میں نے ان کی حیات اور نگارشات کا اپنی بساط کے مطابق کسی حد تک مطالعہ کیا ہے اور اپنے بعض مقالات اور درج ذیل دو کتابوں میں بہت کچھ بیان بھی کیا ہے۔

(۱) امام احمد رضا اور تصوف۔ اشاعت اول ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء – المجمع الاسلامی، مبارک پور

(۲) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت – جد الممتار کے آئینے میں – اشاعت اول: ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء۔

حال ہی میں ان کے فتاوی کے محاسن اور خصوصیات پر ایک ہزار تین سو بانوے (۱۳۹۲) صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے جو ان شاء المولی تعالی اہل علم کی ضیافتِ فکر و نظر کا خوانِ گراں بہا ہو گا۔ نام یہ ہے:

”فتاوی رضویہ: جہانِ علوم و معارف“

میں یہاں صرف چند واقعات اور عبارات ذکر کرنا چاہتا ہوں **جن سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا** اور امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اگر غور کریں گے تو متاثر ہوئے

بغیر نہ رہ سکیں گے۔

(۱)

بھائیوں میں جب باپ کی زمین، جائداد کا بٹوارہ ہوتا ہے تو بکثرت باہمی ناراضی اور کدورت کی صورت رونما ہوتی ہے۔ ہر ایک کو وہم ہوتا ہے کہ مجھے حصہ کم ملا یا خراب ملا اور دوسرے کو زیادہ ملا یا اچھا ملا۔ یہ کدورت بڑھتی ہے تو مخاصمت اور مقدمہ بازی کی نوبت آتی ہے، عداوت اور بڑھی تو تلواریں نکل آتی ہیں، گولیاں چلتی ہیں، کُشت وخون کا بازار گرم ہوتا ہے اور رشتۂ اخوت تار تار نظر آتا ہے۔ جب کہ خون کی یگانگت اور رشتے کی قربت کا تقاضا یہ تھا کہ کمی بیشی کو نظر انداز کرکے سب اپنے اپنے حصّوں پر خوش ہوتے، باہمی مودّت و محبت برقرار رکھتے اور فتنہ پردازوں کو اثر انداز ہونے کا موقع نہ دیتے۔

یہ دنیا کا حال ہے، اعلیٰ حضرت کا حال کیا تھا؟ یہ ہمیں ان کے برادر زادے مولانا **حسنین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں** علیہما الرحمہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد **علامہ نقی علی خاں** علیہ الرحمہ ایک طرف روہیل کھنڈ کے شہرت یافتہ مفتی، بریلی کے سب سے زبردست عالم و متقی اور امام المتکلّمین تھے، دوسری طرف سات گاؤں کے زمیندار، معافی دار اور معزز رؤسائے شہر میں سے ایک تھے۔

ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، چھوٹی صاحب زادی جوانی ہی میں انتقال کر گئیں، بیٹوں کے نام یہ ہیں: سب سے بڑے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں پھر مولانا حسن رضا خاں پھر مولانا محمد رضا خاں، دو بہنیں جو زندہ تھیں وہ اعلیٰ حضرت سے بڑی تھیں۔

والد ماجد کی زندگی کا ابھی ۵۲واں سال تھا کہ انھیں اندازہ ہوا کہ اب زیادہ رہنا نہ ہوگا، جائداد تقسیم کر دینی چاہیے تاکہ بعد کو کوئی نزاعی صورت نہ پیدا ہو ——— باپ کو اختیار ہے کہ اپنی جائداد اپنے ورثہ میں کم و بیش جیسے چاہے تقسیم کر دے مگر تَسویَہ بہتر ہے اور اگر اولاد میں کسی کے اندر دینی فضل و شرف زیادہ دیکھے یا کوئی خاص مصلحت جانے

تو تفضیل میں بھی کوئی کراہت نہیں۔

اب تقسیم کا حال مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کی زبانی سنیے:

اعلی حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنے دوران علالت علاقے کی تقسیم کا دفعۃً ارادہ کر لیا، اور دو موضعوں کی حقّیت اپنی دونوں بیٹیوں کو دے کر باقی مسلّم موضعات اعلی حضرت قبلہ کو لکھے، اور پچاس پچاس روپے ماہوار اُن کے دونوں بھائیوں کو ان موضعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔

وہ دونوں بھائی مولوی حسن رضا خاں اور مولوی محمد رضا خاں اعلی حضرت قبلہ سے چھوٹے تھے۔ عم مکرم مولوی محمد رضا خاں تو بہت کم عمر تھے، ان دونوں میں اتنی بڑی جائداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔ اعلی حضرت قبلہ نے اس وقت ان دونوں کی وکالت فرمائی۔

مذکورہ بالا مسوّدہ جب ان کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ کو دیا کہ وہ امّن میاں (اعلی حضرت قبلہ) کو دکھالیں تو میں اسے رجسٹری کرادوں۔ والدہ صاحبہ نے وہ مسوّدہ اعلی حضرت کو دیا، آپ نے دیکھا، دیکھ کر آب دیدہ ہوگئے، چہرہ تمتمانے لگا، فرمایا کہ اس مسوّدے کی دونوں باتیں مجھے نامنظور ہیں، نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصّوں کی کمی منظور ہے اور نہ میں ان کو اپنا دست نگر بنانا پسند کرتا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصّے کر دیے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔

اعلی حضرت کی والدہ ماجدہ نے ان کا یہ جواب ان کے پدر بزرگوار کو پہنچادیا، تو اعلی حضرت کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امّن میاں دین ہی کی خدمت کریں

گے اور ان کے یہ دونوں بھائی اور کچھ دنیا کما کر ان پچاس پچاس روپے
میں اضافہ کر لیا کریں گے، جو ان کے گزارے کے لیے کافی ہوگا۔
مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو والد ماجد نے
دوسرا مسوّدہ لکھا۔ اس میں کل کی آدھی جائداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی
اور بقیہ آدھی جائداد میں ان دونوں بیٹوں کو برابر کا شریک کر دیا۔
یہ مسوّدہ بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امّن میاں
کو دکھاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، میں تم
کو بحقِّ پدری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلد ہی رجسٹری ہو جائے۔
چناں چہ وہ مسوّدہ رجسٹری ہو گیا۔ اور چند ہی روز کے بعد حضرت
مولانا نقی علی خاں والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔

مگر قصہ اسی پر ختم نہیں ہوتا، آگے کا حال بھی بڑا عبرت انگیز اور سبق آموز ہے، وہ بھی انھی کی زبانی سنیے - فرماتے ہیں:

ان کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کو اس
بات پر راضی کیا کہ آپ گھر کا نظم اس طرح کریں کہ زیادہ روپیہ پس
انداز ہو، اور بچت کے روپے سے دوسری جائداد خرید کر میرے دونوں
بھائیوں کی جائداد میری جائداد کے برابر کریں۔
[اس فرمائش کی تکمیل کی جو صورت قدرتی طور پر رونما ہوئی وہ
بھی عجیب و غریب ہے۔ مختصر یہ کہ] اس جائداد کے ملحقہ حصے حضرت
مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے چار بھائیوں کے پاس تھے، ان میں
نزاع اور مقدمہ بازی کی صورت پیدا ہوئی، انھوں نے اپنے حصے بیچنا
شروع کیے، اِدھر سے خریداری شروع ہوئی، سات آٹھ سال یہی نقشہ
رہا، پھر مقدمہ بازی بھی بند ہوئی اور خریداری بھی بند ہو گئی۔
ہمیں تو اعلیٰ حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انھوں نے میرے

باپ اور چچا کو زمیندار بنایا، ورنہ یہ دونوں پچاس پچاس روپے ماہ وار پاتے اور عمر بھر دنیا کی کش مکش میں پڑے رہتے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا ہو کر ساری جائداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا۔ مگر دنیا میں رہ کر دنیا کو اتنی زبردست ٹھوکر جمانا انھیں کا دل گردہ تھا۔

[یہ اُس وقت ہوا جب اعلیٰ حضرت کی عمر صرف پچیس (۲۵) سال تھی] اس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزؤں، ارمانوں، امنگوں کی رَو میں بہتا ہے، اس عمر میں اُسے بڑا لالچ ہوتا ہے اور تحصیلِ زر کے سلسلے میں حلال و حرام کا بھی امتیاز نہیں کیا جاتا۔

(سیرت اعلیٰ حضرت۔ از مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ۔ ص:۹۷،۹۸۔ اشاعت کان پور، سنہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء)

یہ ہے امام احمد رضا قدس سرہ کی عائلی زندگی جو پیری میں نہیں عنفوانِ شباب میں سامنے آئی، اس تاب ناک باطن کی خبر باہر والوں کو کیا ہوگی، گھر والوں نے جانا، محفوظ رکھا اور بیان کیا۔

بہت ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر بڑا دیدہ زیب ہوتا ہے مگر باطن کا جائزہ لیجیے تو سیاہی پر سیاہی کی پرتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ع خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

(۲)

اب ایک اور واقعہ ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ایک طرف بھائی کی محبت، بے لوث خدمت انتہائی وفاداری اور قدر شناسی کا مظہر ہے تو دوسری طرف اِس بات کی علامت ہے کہ ربِّ قدیر و کریم جب کسی بندے کو خاص اپنے کام کے لیے منتخب فرمالیتا ہے تو اس کے لیے پردۂ غیب سے ایسے اسباب و اعوان فراہم کر دیتا ہے جو بندے کے وہم و گمان سے باہر ہوتے ہیں۔

اس واقعے کا تعلق بھی گھریلو زندگی سے ہے اور گھر والوں ہی کے بیان سے ہمارے علم میں آتا ہے۔

اعلی حضرت کے برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں کے فرزند اوسط مولانا حسنین رضا خاں فرماتے ہیں:

اعلی حضرت قبلہ کی دو بیٹیوں کی شادی ہونے والی تھی، دونوں کے نکاح حسبِ دستورِ خاندان پہلے ہی ہو چکے تھے، رخصتی کا جب تقاضا ہوا تو مولانا حسن رضا خاں اعلی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بھائی جان! حاجی احمد اللہ خاں صاحب (سمدھی) کا رخصتی کے لیے تقاضا آیا ہے، وہ آپ سے بیاہ کی تاریخ مانگتے ہیں۔ میری راے یہ ہے کہ ہم دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کیوں نہ کر دیں۔

اعلی حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بیٹی کی شادی کوئی آسان کام نہیں، نہ کہ ایک ساتھ دو کی۔ بیٹی کی شادی میں لوگ بڑے ساز و سامان کرتے ہیں۔ تم نے کچھ ضروری سامان بھی کر لیا ہے یا یوں ہی مجھ سے تاریخ مقرر کرانے آ گئے؟

مولانا حسن رضا خاں نے عرض کیا: سامان کی تیاری سے متعلق گھر میں بھابی جان سے دریافت فرما لیجیے۔

اعلی حضرت نے جا کر اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ بیٹیوں کی شادی کے لیے کیا کیا سامان تیار ہو گیا اور کیا کمی رہ گئی ہے؟

بی بی صاحبہ نے عرض کیا: ہمارے پاس تو مسالے بھی پسے تیار رکھے ہیں۔ دونوں کے جہیز مکمل ہو گئے ہیں۔ برات میں کھانے دانے کا کل سامان مہیا ہو چکا ہے۔ صرف تاریخ کی دیر ہے۔

اعلی حضرت قبلہ نے جب بی بی صاحبہ سے یہ الفاظ سنے تو وفورِ مسرت سے آب دیدہ ہو گئے۔ آکر فرمایا: حسن میاں! تم نے مجھے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا ہے۔ میری بیٹیوں کی شادیاں ہیں۔ میں ان کا باپ ہوتے ہوئے بالکل بے خبر اور آزاد بیٹھا ہوں۔ تم نے مجھے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہ دی کہ جہیز میں کیا کیا دیا جائے گا؟ اور وہ

کہاں کہاں سے فراہم ہوگا؟ یا یہ کہ برات میں کیا کیا کھانے دیے جائیں گے؟
آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ حسن میاں! جو کچھ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اس کے اجر میں باذن اللہ حصہ دار تم بھی ہو۔ اس واسطے کہ تمھیں نے مجھے دینی خدمات کے لیے دنیا سے آزاد کر دیا ہے—— اس پر مولانا حسن رضا خاں رو پڑے—— قدرے سکون کے بعد تاریخ بھی مقرر فرمادی۔ (سیرت اعلیٰ حضرت۔ اشاعت مذکور، ص:۵٦، ملخصًا)

یہ ایک واقعہ ہے، لیکن بات یہیں تک محدود نہیں، ایک بھرا پُرا گھر شریفانہ اور رئیسانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ چلانے کے لیے کیا کچھ جتن کرنے پڑتے ہیں یہ ایسے گھر والے خوب جانتے ہیں۔ دوسرا کام زمینداری کا تھا۔ جائداد کی نگرانی، اسامیوں سے معاملت، وصول تحصیل کی دقتیں، تقاضے کے لیے بار بار کا چکر، کسی نے دیا، کسی نے ٹالا، کسی نے کچھ ادا کیا، باقی کے لیے پھنسا کر رکھا، کبھی جائداد کا خطرہ، کبھی رقم ڈوبنے کا اندیشہ، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت۔ یہ پریشانیاں کوئی زمیندار ہی بیان کر سکتا ہے جو اُس دور سے گزرا ہو۔ اعلیٰ حضرت اگر زمینداری اور خانہ داری میں مشغول ہوتے تو تصنیف و تالیف، اصلاح وارشاد اور ردّ وافتا کا کام کتنا ہوتا، بہت واضح ہے۔

مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمہ گھر کے چھوٹے چھوٹے معاملات سے لے کر زمینداری کے بڑے بڑے معاملات تک سب اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے کہ اعلیٰ حضرت پر کوئی عملی بار کیا آتا، فکری اور ذہنی بار سے بھی بے نیاز تھے۔

حد یہ کہ "مولانا موصوف ہفتہ عشرہ میں اپنے یہاں سے دو قلم بنا کے لے جاتے اور اعلیٰ حضرت کے قلم دان میں رکھ آتے، اور ان کے گھسے ہوئے قلم خود لے آتے، انھیں اتنی فرصت کہاں کہ لکھنا چھوڑ کر قلم بنائیں، اگر لکھتے لکھتے قلم کی نوک ایک طرف کی گھس جاتی تو دوسری نوک سے لکھنے لگتے، مضمون کی آمد میں خلل نہ آنے دیتے۔

مولانا حسن رضا خاں جب تحصیل، وصول کے لیے گاؤں جاتے تو پہلے اپنی بڑی بھاوج کے گھر آتے، وہ جہاں گھی، تیل، ایندھن اور غلّوں کے وزن وغیرہ معلوم

کرتے وہیں چار پائیاں، تخت، چوکی وغیرہ کے متعلق دریافت کرتے کہ گھر میں اگر ان چیزوں کی کمی ہوتو یہ سامان بھی گاؤں سے بن کر غلہ، ایندھن وغیرہ کی گاڑیوں میں آجائے ——— ایک بزاز مقرر کر رکھا تھا جو ہر فصل پر فصلی ضرورت کے کپڑوں کے تھان لاتا، وہ کپڑا اپنی بھاوج صاحبہ سے پسند کراتے اور سارے گھر کا کپڑا خرید کر دیتے۔ صرف روزانہ کا ترکاری، گوشت ایسا تھا جو اعلی حضرت قبلہ کا ڈیوڑھی بان لایا کرتا تھا۔ غرضے کہ انھوں نے جس لگن کے ساتھ علاقہ وجائداد کا کام کیا اسی انہماک سے اعلی حضرت قبلہ کی دیگر خدمات بھی انجام دیں۔

جب ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں ان کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی **مولوی محمد رضا خاں** آئے اور سارے کام سنبھالے، انھوں نے اپنے انتظام سے اعلی حضرت کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی شادیاں کیں اور **مولانا حسن رضا خاں** نے اپنے اہتمام سے اعلی حضرت کے ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کی شادیاں کیں، اس طرح کل سات شادیاں ہوئیں، نکاح اعلی حضرت نے پڑھائے۔

ان دونوں بھائیوں نے انھیں دنیا کی چپقلش سے دور رکھا، حالاں کہ ان کی دنیا کافی بڑی تھی۔ قدرت نے اعلی حضرت قبلہ کے ذمہ دین ہی کی خدمت سپرد کی تھی، اس لیے ان کو دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایسا کہ انھیں اس طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑی۔“

(سیرت اعلی حضرت۔ از مولانا حسنین رضا خاں، داماد وبرادر زادۂ اعلی حضرت علیہما الرحمہ۔ ص:۵۵ تا ۵۷۔ ملخصًا۔ اشاعت کان پور سنہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء)

میں جائداد کی تقسیم اور انتظامِ خانگی وزمینداری سے متعلق واقعات مزید کوئی تبصرہ کیے بغیر چھوڑ تا ہوں، جب آپ ان پر غور کریں گے تو بہت کچھ پائیں گے۔

(۳)

اب آیئے اعلی حضرت قدس سرہ کی زندگی کا وہ رخ دیکھیں جو ایک جہان کے سامنے ہے۔ پچاس سے زیادہ علوم میں ان کی تصانیف جلیلہ ہیں، ان میں وہ علوم بھی ہیں

جن سے بہرہ ور لوگ کم سے کم تر ہیں بلکہ بعض فنون میں ان کے علمی رُشحاتِ قلم کی عقدہ کشائی کرنے والے بھی اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں یا ہو چکے ہیں۔

مگر میں غامض اور دقیق بحثوں سے ہٹ کر اس اجلاس میں آپ کے سامنے ایک صاف اور واضح بات رکھنا چاہتا ہوں۔

جو لوگ اسالیب کلام کی معرفت رکھتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ درسی اُسلوب الگ ہوتا ہے، (اسٹیج کا) تقریری اُسلوب الگ، قلمی انداز الگ ہوتا ہے زبانی انداز الگ، فنی اور علمی طرز تحریر الگ ہوتا ہے ادبی اور صحافتی طرز تحریر الگ، اسی طرح افتا کا اُسلوب الگ ہوتا ہے اور اصلاح و موعظت کا اسلوب الگ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی میں افتا کے ساتھ اصلاح و موعظت کا رنگ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور بعض فتاوی میں اسلوبِ افتا پر اصلاح و موعظت کا اُسلوب غالب نظر آتا ہے، اس لیے کہ وہ صرف دقیقہ رَس مفتی ہی نہ تھے، زبردست مجدّد اور مصلح بھی تھے ــــــ وہ صرف حکم شرعی بتا کر کنارہ کشی نہ چاہتے تھے بلکہ حالات میں انقلاب اور لوگوں کی زندگی میں سُدھار اور نِکھار بھی چاہتے تھے۔

آج سے تقریباً **چالیس (۴۰) سال** قبل جب برادر گرامی **مولانا یٰسین اختر مصباحی** کی کتاب **"امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات"** پر میں نے "تقریب" لکھی تھی تو اس عنوان (فتاوی رضویہ میں اسلوبِ اصلاح و موعظت)[۱] کے تحت چند شواہد پیش کیے تھے اور امید ظاہر کی تھی کہ کوئی صَاحبِ قلم اس موضوع کو مبسوط انداز میں سیراب کریں گے لیکن اتنے طویل عرصے میں اس پر کوئی قابل ذکر قلمی کاوش نظر نہ آئی۔ میرے چند طلبہ نے اس پر جزوی کوشش کی ہے مگر اس میں ابھی کافی اضافے کی ضرورت ہے۔

---

(۱) اس عنوان پہ مولانا ساجد علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے "فتاوی رضویہ میں اصلاح و موعظت کا عنصر" کے نام سے ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے جو سال نامہ یادگار ایوبی پیرا کنک کشی نگر کی عظیم پیش کش انوار امام احمد رضا کی جلد اول میں شامل ہے۔ (محمد زاہد اختر)

میں یہاں اس اُسلوب کا صرف ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر ایسے بہت سے فتاوی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

فتاوی رضویہ، جلد سوم، کتاب الصلاۃ میں ایک سوال یہ ہے کہ ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعتِ اُولی ترک ہوجاتی ہے۔ اور عذر اس کا خوفِ فوتِ تہجد ہے۔ جائز ہے یا نہ؟

اب جواب کا انداز اور اصلاح حال کی بھرپور کوشش ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں جوابِ حق، وحقّ جواب یہ ہے کہ عذرِ مذکور فی السوال، سرے سے بے ہودہ وسراپا اِہمال ہے۔ وہ زعم کرتا ہے کہ سنتِ تہجد کا حفظ وپاس، اسے تفویتِ جماعت پر باعث ہوتا ہے۔ اگر تہجد بروجہِ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوتِ واجب سے اس کی محافظت کرتا نہ کہ الٹا فوت کا سبب ہوتا۔

قال اللہ عزوجل : اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ. بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عليكم بقيامِ الليل فانه دابُ الصالحين قبلكم وقربةٌ إلى الله تعالى ومَنْهَاةٌ عن الاثم وتكفيرٌ للسيّآت ومَطْرَدةٌ للدَّاء عن الجسد.[۲]

تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ اگلوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہوں سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔

---

(۲) (۱) رواه الترمذي في جامعه. وابن أبي الدنيا فى التهجد. و ابن خزيمة في صحيحه. والحاكم في المستدرك وصححه. والبيهقي في سننه عن أبي أمامة الباهلي. (۲) وأحمد. والترمذي وحسنه. والحاكم والبيهقي عن بلال. (۳) والطبراني فى الكبير عن سلمان الفارسي. (٤) وابن السني عن جابر بن عبدالله. (٥) وابن عساكر عن أبى الدرداء رضي الله تعالى عنهم أجمعين. ص: ۳۳۰، فتاوى رضويه، ج: ۳.

توفوتِ جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے— اگر میزانِ شرعِ مطہر لے کر اپنے احوال وافعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا۔

یا ھذا۔ سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر —— یہ کیا کہ سنت لیجیے اور واجب فوت کیجیے —— ذرا بگوشِ ہوش سن! اگرچہ حق تلخ گزرے۔ وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیان زمانہ پر پیش کرے —— جس کا خیال ترغیباتِ تہجد کی طرف جائے، تجھے تفویتِ جماعت کی اجازت دے۔ جس کی نظر تاکیداتِ جماعت پر جائے، تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ "مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ اخْتَارَ أَهْوَنَهُمَا"۔ بہرحال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے۔ مگر حاشا! خدام فقہ وحدیث، نہ تجھے تفویتِ واجب کا فتویٰ دیں گے نہ عادیِ تہجد کو ترکِ تہجد کی ہدایت کر کے، ارشاد حضور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"یاعبدَالله لاتكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ"[۳]. کا خلاف کریں گے۔

تہجد وجماعت میں تعارض نہیں ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں —— بلکہ یہ ہوائے نفس شریر وسوے طرز تدبیر سے ناشی (پیدا) ہوا۔

۱ یا ھذا۔ اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے۔ جب تو صراحۃً آثم وتارکِ واجب —— اور اس عذر باطل میں مبطل وکاذب ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ، وَالْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ مَنْ سَمِعَ مُنَادِيَ اللّٰهِ يُنَادِي إِلَى الصَّلاةِ فَلا يُجِيبُهُ.

ظلم پورا ظلم۔ اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا

(۳) رواه الشيخان عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنهما. فتاوى رضويه.

سنے اور حاضر نہ ہو۔

۲ اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ ——— کہ یہ فتنۂ خواب کیوں کر جاگا؟ اور یہ فساد عُجاب کہاں سے پیدا ہوا؟ —— اس کی تدبیر کر۔[۴]

(الف) کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقتِ جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا؟ ——— یوں ہے تو اول وقت خواب کر ——— اولیاے کرام قدسنا اللہ تعالی بأسرارھم نے قیلولہ کے لیے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز و تلاوت نہیں۔ یعنی ضحوۂ کبریٰ سے نصف النہار تک۔ وہ فرماتے ہیں کہ چاشت وغیرہ سے فارغ ہوکر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے ——— اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہیے کہ پیش از زوال وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر وقتِ زوال کہ ابتداے ظہر ہے ذکر و تلاوت میں مشغول ہو۔ ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہولیا اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(ب) کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے؟ ——— اچھا! ٹھیک دوپہر کو سو ——— مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے ——— ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے۔

اگر طولِ خواب سے خوف کرتا ہے:

۱ تکیہ نہ رکھ، بچھونا نہ بچھا۔ کہ بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے۔

۲ سوتے وقت دل کو خیالِ جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی۔

۳ کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخاراتِ طعام فرو ہولیں اور طولِ منام کے باعث نہ ہوں۔

۴ سب سے بہتر علاج تقلیلِ غذا ہے، سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

---

(۴) اس جملے پر قربان جائیے۔ محمد احمد مصباحی

مَا مَلأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكْلاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ.

رواه الترمذی وحسّنه وابن ماجه وابن حبان عن المقدام بن معدیکرب رضی الله تعالٰی عنه.

آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا۔ آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں۔ اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پانی، تہائی سانس کے لیے۔

پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا، بانجھ سے بچہ مانگنا ہے۔ جو بہت کھائے گا بہت پیے گا، جو بہت پیے گا بہت سوئے گا۔ جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات وبرکات کھوئے گا۔

⑤ یوں بھی نہ گزرے تو قیام لیل میں تخفیف کر —— دو رکعتیں خفیف وتام۔ بعد نماز عشا ذرا سونے کے بعد۔ شب میں کسی وقت پڑھنی۔ اگرچہ آدھی رات سے پہلے۔ ادائے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا۔ دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں۔ تہجد ہو گیا۔

⑥ سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا —— اور اس پر سچا توکل —— مولی تبارک وتعالی جب تیرا حسنِ نیت وصدقِ عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ من یتوکل علی الله فهو حسبه.

⑦ اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعیّن کر کہ وقت جماعت سے پہلے جگا دے کما وَكَّلَ رسولُ اللهِ صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلالاً رضی الله تعالٰی عنه ليلة التَّعْرِيْس.

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالی فوت جماعت سے محفوظی ہو گی اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی —— اور جگانے والا بھی

بھول گیا۔ یا سورہا۔ کما وقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالی عنہ تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا۔ اور امید ہے کہ صدق نیت و حسن تدبیر پر ثوابِ جماعت پائے گا۔ و باللہ التوفیق.

(ج) کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں؟ جب تو ساری دقّتوں سے چھوٹ گیا۔ سوکر پڑھی۔ یا پڑھ کر سوئے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ جماعت پڑھ ہی کر نہ سوئے کہ خوف فوت اصلاً نہ رہے جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم روز جمعہ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ تین صورتیں ہیں: (۱) پیش از زوال سو اٹھنا۔ (۲) بعد جماعت سونا۔ ان میں کوئی خدشہ ہی نہیں۔ (۳) اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں۔

رب عزوجل سے ڈرے۔ اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے۔ پھر دیکھیں کیوں کر تہجد تفویتِ جماعت کا موجب ہوتا ہے۔

بالجملہ نہ ماہ نیم ماہ۔ بلکہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور یک سر مدفوع و محض نامسموع، جماعت و تہجد میں اصلاً تعارض نہیں، کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجیے۔ اور بوجہِ تعذرِ جمع راہِ ترجیح لیجیے۔ ھذا ھو حق الجواب واللہ الھادی الی سبیل الصواب.

بایں ہمہ اگر بالکل خلاف واقع و بے کار طور پر یہی مان لینا ضروری کہ جماعت و تہجد میں تعارض ہے۔ لہٰذا ایک ہی کی ادائگی ہوگی دوسرے کو ترک کرنا ہوگا۔ اب ترجیح جماعت کو ہو یا تہجد کو؟ تو جماعت اُولیٰ پر تہجد کی ترجیح محض باطل و مہجور۔

(۱) اگر حسب تصریح عامۂ کتب ـــــ تہجد مستحب ـــــ وحسب اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانیے ـــــ جب تو ظاہر کہ واجب و مستحب کی کیا برابری؟ ـــــ نہ کہ اس کو اس پر تفضیل و برتری!

(۲) اور اگر تہجد میں ـــــ اعلی الاقوال کی طرف ترقی ـــــ اور جماعت میں ادنی الاحوال کی جانب تنزل ـــــ کرکے دونوں کو سنت ہی مانیے۔ تاہم تہجد کو

جماعت سے کچھ نسبت نہیں۔

جماعت بر تقدیر سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی —— اہم وآکد واعظم ہے۔ ولہٰذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا، تو بالاجماع سنتیں ترک کرکے جماعت میں مل جائے۔

اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل —— پھر مذہب اصح پر سنت قبلیۂ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں —— اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد —— افضل وآکد رکعتینِ مغرب ہیں۔ پھر رکعتینِ ظہر —— پھر رکعتینِ عشا —— پھر قبلیۂ ظہر —— پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب، تہجد سے اہم وآکد ہیں۔ ولہٰذا ہمارے علما سننِ رواتب کی نسبت فرماتے ہیں: انها لِتَاكُّدِها اَشْبَهَتِ الْفَرِيْضَة ۔(یہ مؤکد ہونے کے باعث فرض کے مشابہ ہیں۔)اور یہی مذہب جمہور ومشرب منصور ہے۔

تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر سے کمتر —— پانچویں درجہ میں واقع ہے —— سب سے آکد جماعت —— پھر سنت فجر —— پھر قبلیۂ ظہر —— پھر باقی رواتب —— پھر تہجد وغیرہ سنن ونوافل۔

اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جاکر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت — پھر سنت فجر — پھر سنت مغرب — پھر بعدیۂ ظہر — پھر بعدیۂ عشا —— پھر قبلیۂ ظہر —— پھر تہجد وغیرہا۔

پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا؟ برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں —— نہ کہ مستحب مان کر۔

اگر کہیے یہاں کلام جماعت اُولی میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود —— اور واجب یا اس اعلی درجہ کی مؤکد "مطلق جماعت" ہے —— نہ خاص جماعت اُولی —— بلکہ وہ صرف افضل واَولی —— اور فضل تہجد اس سے اعظم و اعلی —— تو حفظ تہجد کے لیے ترک اُولی جائز وروا۔ اگرچہ افضل اِتیان واَدا۔

أقول: یہ تاصیل وتفریع، سراسر بے اصل واِحداثِ شنیع۔ زنہار زنہار! ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی ——— جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولی قصداً چھوڑ دیجیے ——— اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجیے۔ جماعت ثانیہ کی تشریع، اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح ـ مثل مدافعتِ اخبثین ——— یا حاجت طعام وغیرہا ——— کے باعث جماعت اولی سے رہ جائیں، وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں۔ بے اعلان وتداعی (یعنی بے اذان) محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کرلیں ——— نہ کہ اذان ہوتی رہے ——— داعیِ الٰہی پکارا کرے ——— جماعتِ اولی ہوا کرے ——— مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں بنائیں ——— یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عجلت کیا ہے؟ ہم اور کرلیں گے ——— یہ قطعاً یقیناً بدعت سیّئہ شنیعہ ہے۔(۵)

اس فتوے سے واضح ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی حیثیت صرف ایک مفتی کی نہ تھی۔ بلکہ ایک مصلح ومجدد کی شان ان کے فتاوی سے بھی عیاں ہے۔ بحیثیت مفتی سوال مذکور کا اتنا جواب کافی تھا کہ

> تہجد وجماعت میں تعارض نہیں ——— دونوں کی ادائگی کی تدبیر کرنا چاہیے ——— اور اگر بالفرض یہ ممکن نہ ہو تو جماعت ترک کرکے ادائے تہجد کی راہ نہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ تہجد چھوڑے مگر جماعت سے مفر نہیں۔ اور یہ حکم خاص جماعتِ اُولی کا ہے۔ ثانیہ تو محض ضرورت اور صحیح عذر کے لیے مشروع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن اس طرح کے جواب سے سائل کو صرف حکم مسئلہ معلوم ہوسکتا ہے۔ بدعت ومنکر کا قلع قمع نہ ہوسکے گا ——— کہ تمام وساوس شیطانی اور شہوات نفسانی کا رد ہو، آدمی میں نیکی کی ادائگی اور برائی کے چھوڑنے کا جذبۂ بیکراں فروغ پائے۔ اور سبیلِ مستقیم پر گامزن ہوجائے۔

---

(۵) ملخصاً فتاوی رضویہ، سوم، ص: ۳۳۰ تا ۳۳۵، طبع اول، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔

اس لیے جواب میں سیدنا الشیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے خطبات کا اندازِ واعظانہ وزاجرانہ اختیار فرمایا۔ اور ساتھ ہی طرز عالمانہ واسلوب محققانہ ومفتیانہ بھی اپنائے رکھا۔ جس کے بعد سائل اگر دل میں ذرا بھی زندگی رکھتا ہو تو یہ فتویٰ اس کے لیے بہترین مرشد وشیخ کا کام دے سکتا ہے۔ بیماری دل کا خوب تر علاج ہو سکتا ہے۔ اور چوں کہ ترکِ جماعت کی بیماری صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ بلاے عام ہے اس لیے یہ فتویٰ نافعِ خاص وعام ہے۔ وھو الھادی و الموفّق.

(۴)

اب آخر میں امام احمد رضا قدس سرہ سے متعلق ایک رخ اور دکھانا چاہتا ہوں جس سے ان کا تابناک ظاہر وباطن دونوں عیاں ہوتا ہے۔

مجدد دین وملت نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ نئے پرانے فتنوں کے استیصال اور ان سے امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت میں صَرف کیا ہے۔ یہ ان کا وہ عظیم مجاہدہ ہے جو پہاڑوں اور صحراؤں میں عُزلت نشینی اور ریاضت ومشقت سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔

امام ابو اسحٰق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جب مبتدعین کی اشاعتِ بدعت دیکھی پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس گئے جو ترکِ دنیا ومافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد ﷺ فتنوں میں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ امام! یہ آپ ہی کا کام ہے، ہم سے نہیں ہو سکتا—— امام وہاں سے واپس آئے اور بدمذہبوں کے رد میں نہریں بہائیں۔ (فیض القدیر للعلامۃ المناوی)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے لکھا ہے: ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مانیں، نہ مانیں یہ ان کا کام۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: بھونکے جاؤ بس اِس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اِس نسبت پر قربان۔ جس کو یہ نسبت حاصل ہے اُس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ اور اِسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عُزلت نشین ہو گیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔ اُس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے، اور چاروں طرف سے موسَل کی مار پڑ رہی ہے۔ (الملفوظ، ج:۳، ص:۳۸)

اب آپ امام احمد رضا قدس سرہ کے شب وروز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انھوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے؟ پوری زندگی فتنوں کی بیخ کنی اور امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت میں بسر کی ہے۔ مذاہب باطلہ اور فِرَقِ ضالّہ کے رد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ہر فتنے کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ بدعات ومنکرات سے کبھی سمجھوتا نہ کیا، کسی مسلمان کو گناہ میں مبتلا دیکھا تو اپنے واعظانہ وناصحانہ کلام سے اس کو معصیت کی دَلدل سے نکالنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ یہی مجدّدِ دین وملّت اور مصلحِ امت کی شان ہے۔

ان کی یہ سعیِ پیہم بے شمار بندگانِ خدا کے حق میں کار گر ثابت ہوئی، لوگ ضلالت ومعصیت سے محفوظ رہے، بہت سے وہ جو کسی ضلالت یا معصیت میں مبتلا تھے، راہِ راست پر آئے۔ یہ سلسلہ ان کے رُشحاتِ قلم کے ذریعے آج بھی جاری ہے۔ رب کریم کے یہاں اس خدمت کا جو اجر عظیم ہے وہ ہمارے وہم وگمان سے باہر ہے۔

اس پر علماے عرب وعجم خصوصًا اکابر حرمین شریفین کی طرف سے امام اہل سنت کی جو مدح وثنا ہوئی وہ شاید ہی کسی ہندی عالم کو نصیب ہوئی ہو۔ دوسری طرف اہل باطل کی طرف سے سبّ وشتم اور اِفترا وبہتان کا جو بازار گرم ہوا، اور آج بھی ہے، اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔

یہاں پہنچ کر امام احمد رضا کی استقامت اور ہمت وعزیمت قابل دید ہے، نہ اپنی خدمتِ دینی پر غرور ہے، نہ مدح اکابر پر عُجب وفخر، نہ اپنے حق میں دشمنوں کی ہرزہ سرائیوں پر غیظ وغضب اور جوشِ انتقام ——— یہی وہ مقام ہے جہاں ان

کے اخلاص کا سونا تپ کر کُندن نظر آتا ہے اور ان کی اصلاحی و تجدیدی خدمات کا رُخ بالا سے بالاتر ہو جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

حمد اس کے وجہِ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظم و اکابر کی اِن عظیم مدحوں پر اِتراتا ہے۔ بلکہ اپنے رب کے حُسنِ نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لیے! کیسا تو نے اِس ناچیز کو اُن عُظَماے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔

نہ [یہ بندہ] ان دُشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے، جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں، پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب ﷺ کی عزّت کی حمایت کرے۔ گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتّوں میں اُس کا چہرہ لکھا جائے۔

(خلاصہ فوائد فتاوی سنہ ۱۳۲۴ھ طبع چہارم بریلی۔ ص: ۴۹۔ ۵۰ ملخصًا)

انہی کلمات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، ربِّ کریم ہمیں ان کے نقوش زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیقِ جمیل مرحمت فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یا ربَّ العالمین بجاہ حبیبك أكرم الأولین والآخرین، صَلِّ وسلِّم وبارِك علیه وعلی آله وصحبه أجمعین، وعلی من تبعهم بإحسانٍ إلی یوم الدین.

محمد احمد مصباحی
رکن المجمع الاسلامی
و ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ- یوپی